www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مقالات

محمد عطاء اللہ صدیقی

شریعت بل ۹۸ء ...... تبصرہ و تجاویز

آئین میں پندرھویں ترمیم کا بل بعض ضروری ردوبدل کے ساتھ قومی اسمبلی کے ارکان کی دو تہائی اکثریت کی منظوری کے بعد سینٹ میں حتمی منظوری کے لیے پیش کر دیا گیا ہے۔ پندرھویں ترمیم کے ابتدائی مسودہ اور منظور شدہ بل میں نمایاں ترین فرق، دستور کے آرٹیکل ۲۳۹ میں ترمیم کی تجویز کا واپس لیا جانا ہے۔ اس کے علاوہ مجوزہ آرٹیکل '۲ب' کی ذیلی شق '۴' کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

ابتدائی مسودہ میں آئین کے آرٹیکل ۲ میں "۲ب" کا اضافہ تجویز کیا گیا تھا جو مزید ۵ ذیلی شقات پر مبنی تھا، اب قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل میں چونکہ ۲(ب) کی شق ۴ کو حذف کر دیا گیا ہے، اسی لیے اب تازہ ترین بل میں ۲(ب) کی ۴ ذیلی دفعات موجود ہیں۔ ان کی زبان، اسلوب یا الفاظ میں ذرا برابر تبدیلی نہیں کی گئی اور یہ ابتدائی مسودہ کے سو فیصد عین مطابق ہیں۔ قومی اسمبلی کے منظور کردہ آرٹیکل ۲۔ب کا تازہ ترین متن حسب ذیل ہے :

"۲۔ب : قرآن وسنت کی برتری

(۱) قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی سنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہو گا۔

تشریح : کسی مسلمان فرقہ کے شخصی قانون (پرسنل لاء) پر اس شق کے اطلاق میں "قرآن وسنت" کی عبارت کا مفہوم وہی ہو گا جو اس فرقہ کی تعبیر و توضیح پر مبنی ہے۔

(۲) وفاقی حکومت کا یہ فریضہ ہو گا کہ وہ شریعت کے نفاذ کے لیے اقدام کرے، صلوٰۃ قائم کرے، زکوٰۃ کا اہتمام کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے اور اسے روکنا جو غلط ہے) کو فروغ دے، ہر سطح پر بدعنوانی کا خاتمہ کرے اور اسلام کے اصولوں کی مطابقت میں جیسا کہ قرآن وسنت میں موجود ہیں، حقیقی سماجی معاشی انصاف فراہم کرے۔

(۳) اس آرٹیکل میں شامل کوئی امر غیر مسلموں شخصی قانون، مذہبی آزادی کی روایات، رسم ورواج اور بطور شہریوں کے ان کی حیثیت کو متاثر نہیں کرے گا۔

(۴) اس آرٹیکل کے احکام دستور میں شامل کسی امر کے باوجود کسی قانون یا عدالت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے کسی فیصلے پر مؤثر ہوں گے۔"

قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل سے اس آرٹیکل میں پہلے سے شامل جو عبارت یا ذیلی شق حذف کردی گئی ہے، اس کا متن درج ذیل ہے :

"۲۔ب...... ۳ :وفاقی حکومت شقات "ا" اور "۲" میں دیے گئے احکام کے نفاذ کے لیے ہدایات (Directive) جاری کر سکے گی اور مذکورہ ہدایات پر عمل پیرا نہ ہونے پر کسی بھی سرکاری عہدیدار کے خلاف ضروری کاروائی کی جاسکے گی"

شریعت بل کے ترمیم شدہ متن پر اعتراضات وخدشات اور تبصرہ

مندرجہ بالا بل کے متعلق زبان وبیان کے حوالے سے حسب ذیل معروضات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

(۱) آئین کی پندرہویں ترمیم کے توسط سے آئین میں حقیقی ترمیم یا اضافہ ۲ب......ا کی پہلی سطر یہ ہے یعنی "قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی سنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا" اس ذیلی شق کی تشریح کے ضمن میں جو عبارت شامل کی گئی ہے وہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ میں سو فیصد انہی الفاظ میں پہلے سے موجود ہے۔ اس کا دہرانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ شاید حکومت نے مختلف فرقوں کی طرف سے تنقید سے بچنے کی پیش بندی کے طور پر اس تشریح کو دوبارہ شامل کرنا مناسب سمجھا ہے۔ بہر حال یہ امر آئین سازی کے عمل میں ایجاز واختصار کو پیش نظر رکھنے کے بنیادی اصول سے مطابقت نہیں رکھتا۔

(۲) ذیلی شق ۲ب...... ۲، بعض الفاظ کے ردوبدل یا اضافہ کے باوجود آئین کے آرٹیکل ۳۱ میں ذیلی شقات ۲(بی) اور ۲(سی) سے بہت مماثلت رکھتی ہے جس میں نظام صلوٰۃ اور مساجد کے نظام کو اسلامی طرز زندگی کے مطابق ڈھالنے کی بات کی گئی ہے۔ البتہ قابل نفاذ اور مؤثر ہونے کے حوالے سے ان دونوں میں خاصا فرق ہے کیونکہ آرٹیکل ۳۱ پالیسی کے اصولوں تک محدود ہے۔

آرٹیکل ۲ب...... ۲ میں موجود الفاظ امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کے بارے میں یہ نشان دہی کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں ترمیم کے بل میں انگریزی اور اردو زبان میں، ان الفاظ کے بعد قوسین میں جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ان عربی الفاظ کے مفہوم میں تحریف دکھائی دیتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ وزارت مذہبی امور کی طرف سے تقسیم شدہ ڈرافٹ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس ترمیم کے انگریزی متن میں امر بالمعروف، کا ترجمہ "To Prescribe What is Right" کیا گیا ہے اور اردو میں یہ ترجمہ "یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے؟" کے الفاظ کی

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

صورت میں دیا گیا ہے۔ امر بالمعروف کا لغوی اور اصطلاحی مطلب سامنے رکھا جائے تو یہ دونوں ترجمے ناقص اور مغالطہ آمیز نظر آتے ہیں۔ اردو زبان میں امر بالمعروف کا ترجمہ عام طور پر ''نیکی کا حکم دینا'' کیا جاتا ہے۔ Prescribe ''بیان کرنا'' کے معنوں میں ہوتا ہے۔ ''بیان کرنے'' اور ''حکم دینے'' میں جو فرق ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں ہے۔ وزارتِ مذہبی امور نے اردو کے متن میں ''تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے'' ترجمہ کیا ہے جو نہ تو ''امر بالمعروف'' کا مخصوص مفہوم واضح کرتا ہے اور نہ ہی یہ انگریزی متن کے الفاظ Prescribe کا ترجمہ ہے۔ کسی بات کا تعین کرنا کہ وہ صحیح ہے یا نہیں، اس بات سے مختلف ہے کہ کسی بات کے کرنے کا عملاً حکم دینا۔ قرآن وسنت کے مطابق معروفات تو پہلے سے تعین شدہ ہیں، حکومت ان کے نئے سرے سے تعین کرنے کی مجاز نہیں ہوتی، وہ تو ان پر عملدرآمد کرانے کی حد تک ذمہ دار ہے۔ 'امر' کا لفظ واضح طور پر حتماً نفاذ کا مفہوم دے رہا ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ پندرہویں ترمیم جیسے اہم مسودہ کی تیاری میں ماہرین قانون نے ان باتوں سے صرفِ نظر کیا ہے۔ یہ فروگذاشت نتیجہ ہے ہمارے قانون سازوں کی عربی زبان سے لاعلمی کا یا بصورتِ دیگر ذہنی تحفظات کا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر علماء کے معروف '۲۲ نکات' میں بھی ملتا ہے جو انہوں نے آئینی تجاویز کے ضمن میں ۱۹۵۱ء میں حکومت کو پیش کیے تھے...... راقم کے سامنے ان ۲۲ نکات کا انگریزی میں متن موجود ہے جس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا انگریزی ترجمہ "To direct What to do and What not to do" دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ پندرہویں ترمیمی بل کے مقابلے میں بدرجہا بہتر اور درست ہے۔ مذکورہ بالا غلط ترجمہ کی وجہ سے بہت سے علماء، جو شریعت بل کے حامی ہیں، نے بھی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے چونکہ وہ کسی بھی صورت میں حکومت کو یہ حق تفویض کرنے کے حق میں نہیں ہیں کہ وہ اس بات کا تعین خود کرے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ بعض علماء نے اسے حکومت کی طرف سے ''مداخلت فی الدین'' کے حق کو قانونی شکل دینے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر بالفرض کسی بات کے متعلق درست ہونے یا نہ ہونے کا تعین کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو یہ فریضہ اعلیٰ عدالتوں یا قرآن سنت سے واقفیت رکھنے والے علماء کو سونپا جانا چاہئے نہ کہ سرکاری حکام کو۔ ایک معروف عالم دین نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر حکومتِ وقت یہ استحقاق حاصل کرلے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ سنت کو قید اور کوڑوں کی سزائیں جائز اور درست قرار پائیں گی کیونکہ حکومتِ وقت ان کو درست سمجھتی تھی۔ اگرچہ اب حالات مختلف ہیں لیکن پھر بھی ان خدشات کو قطعی طور پہ بے بنیاد قرار دینا مشکل ہے اور نہ ہی، آج نہیں تو بعد کے حکمرانوں کی طرف سے اس طرح کے ظلم واستبداد کے امکانات کو رد کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا کہ پاکستان میں ہمیشہ اسلام پسند برسراقتدار رہیں گے۔ ماضی قریب میں مصر،

© rasailojaraid.com

 محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ترکی، الجزائر، تیونس اور خود پاکستان میں سیکولر حکمرانوں نے علماء اور اسلام پسند شہریوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں، وہ باخبر افراد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مصر کے ممتاز عالم دین سید قطب کو پھانسی کی سزا دی گئی، جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو قادیانیت کے خلاف ایک پمفلٹ لکھنے پر سزائے موت سنائی گئی۔ اسلئے ضروری ہے کہ شریعت بل کے اس لغوی اور اصطلاحی سقم کو دور کیا جائے۔

(۳) سینٹ میں زیر منظوری آرٹیکل ۲(ب) کی ذیلی شق '۳' قانون سازی کی زبان میں "Re-dundant" یعنی فالتو معلوم ہوتی ہے۔ آئین کی تمہید میں اقلیتوں کو واضح طور پر اپنے مذہب و ثقافت کی آزادانہ پیروی و وضاحت کی یقین دہانی کا ذکر ملتا ہے۔ تمہید کے الفاظ کو بعینہٖ قراردادِ مقاصد میں شامل کیا گیا ہے جو اب آرٹیکل ۲(الف) کی صورت میں آئین کا مؤثر اور قابل نفاذ حصہ بن چکا ہے۔ مزید بر آں بنیادی حقوق کے باب میں آرٹیکل ۲۰ کے تحت مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت پہلے سے موجود ہے۔ یہی عبارت آرٹیکل ۲۲ کی ذیلی شق (۳) میں ہو بہو موجود ہے۔ آئین کے چار مقامات پر اقلیتوں کی مذہبی آزادی کے تحفظ کے بعد آئین کی پندرھویں ترمیم میں پانچویں مرتبہ ایک ہی بات کا دہرانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غالباً حکومت بعض اقلیتی تنظیموں، جو کہ مغربی سرمائے پر چل رہی ہیں، کے بے جا شوروغل اور احتجاج سے مرعوب و متاثر ہونے کے بعد یہ ذیلی شق لانے پر مجبور ہو گئی ہے۔

یہ اقلیتی تنظیمیں درحقیقت اپنے بنیادی حقوق کی پامالی کے متعلق زیادہ پریشان نہیں ہیں بلکہ وہ اس ملک کی ۹۷ فیصد اکثریت کا اپنے مذہب و ضمیر کے مطابق قانون سازی یا زندگی گزارنے کا حق تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ حکومت کو ان کے احتجاج کا معروضی جائزہ لیکر قانون سازی کرنی چاہئے۔ اب جب کہ یہ متحرک این۔ جی۔ اوز مندرجہ بالا ذیلی شق کی شمولیت کے باوجود مطمئن نہیں ہیں، تو خواہ مخواہ آئین کا پیٹ بھرنے کا فائدہ کچھ نہیں ہے۔ حکومت نے جب نفاذِ شریعت کا بیڑہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا ہے تو پھر اس طرح کے معذرت خواہانہ اقدامات سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اسلام دشمنوں کو مطمئن کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

(۴) شریعت بل کے ابتدائی مسودہ میں خاطر خواہ تبدیلیاں لانے اور قومی اسمبلی سے نظر ثانی شدہ بل کی منظوری کے باوجود اس موجودہ بل کا جو حصہ اب تک تنقید کا نشانہ بنا ہوا ہے، وہ ذیلی شق ۲ ب ۴ ہے۔ سیکولر طبقہ کی طرف سے اس پر تنقید تو خلافِ توقع نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بہر حال اسلامی قانون سازی کو روکنے کے لیے تنقید برائے تنقید کا شغل جاری رکھنا ہے۔ البتہ بعض حامیانِ شریعت نے بھی اس ذیلی شق کے متعلق عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک دونوں طبقات کی تنقید اصولی ہونے سے زیادہ بے جا خدشات پر مبنی ہے۔ مذکورہ شق کا اردو ترجمہ سطور بالا میں دیا گیا ہے، مختلف اعتراضات کا معروضی جائزہ لینے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انگریزی متن

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بھی سامنے رکھا جائے جو حسبِ ذیل ہے :

2-B (4): The provision of this Article shall have effect not withstanding any thing contained in the constitution, any Law or Judgement of any court"

مجوزہ آرٹیکل ۲ (ب) بالعموم اور مندرجہ بالا ذیلی شق ۲ (ب) (۴) کے متعلق بالخصوص جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ ان سب کا محاکمہ تو بے حد مشکل ہے البتہ بعض منتخب اعتراضات کی تفصیل اور ان کے بارے میں رائے کا اظہار اس مسئلے کی تفہیم کے لیے مناسب ہو گا۔

معروف قانون دان ایس ایم ظفر صاحب نے اپنا رد عمل بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ دستور کا آرٹیکل ۲ (ب) آئین کے دیگر تمام آرٹیکلز کو "یرغمال" بنالے گا۔ انہوں نے بالخصوص "آئین، قانون، یا عدالتی فیصلہ کے باوجود" کے جملہ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس سے عدالتوں کے اختیارات پر قدغن عائد کی گئی ہے۔ ایک اور قانون دان عبدالحفیظ پیرزادہ نے رائے ظاہر کی ہے کہ آئین کی پندرھویں ترمیم پورے آئین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔ جناب ایس ایم ظفر صاحب نے اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مثال دی کہ آئین میں عورت کے وزیر اعظم بننے پر اس وقت کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آئین کی پندرھویں ترمیم کی منظوری کے بعد یہ کہہ کر یہ پابندی عائد کی جاسکتی ہے کہ اسلام میں عورت کے وزیر اعظم بننے کا جواز نہیں ہے۔ (روزنامہ ڈان، ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

مندرجہ بالا اعتراضات کے بارے میں دو نکات پیش خدمت ہیں :

(i) جناب ایس ایم ظفر صاحب اور دیگر حضرات جو قانونی پیشہ سے وابستہ ہیں، وہ اس بات کی تردید نہیں کر سکیں گے کہ "آئین یا عدالتوں کے فیصلہ کے باوجود" کے الفاظ پہلی مرتبہ آرٹیکل ۲ (ب) میں شامل نہیں کیے جا رہے۔ آئین کے متعدد آرٹیکلز میں اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے والی شقات پہلے سے موجود ہیں :

"Not withstanding any thing in the constitution"

کے الفاظ آئین کے آرٹیکل ۲۳۴، ۲۳۵، ۴۸ اور کچھ عرصہ پہلے تک آرٹیکل ۵۸ اور دیگر مقامات وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جہاں تک عدالتوں کے دائرہ کار کو محدود کرنے کی بات ہے، اس کا ذکر بھی متعدد آرٹیکلز میں ملتا ہے۔ آرٹیکل ۲۴۵ جو سول حکومت کی معاونت کے لئے فوج بلانے کی بات کرتا ہے، اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ اس ضمن میں وفاقی حکومت کی ہدایات کی قانونی حیثیت کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جائے گا۔ اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار کو تو بہت حد تک آرٹیکل ۲۰۳ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ ایسی پابندیاں دیگر آرٹیکلز میں بھی موجود ہیں۔ البتہ ۲ (ب) کی ذیلی شق

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

(۴) میں "عدالتی فیصلہ" کے الفاظ غالباً نئے ہیں لیکن ان کا مفہوم دیگر شقات سے بہت مختلف نہیں ہے۔......... اور "عدالت کے کسی بھی فیصلے" جیسے الفاظ کو آئین میں شامل کرنے کا ایک خصوصی پس منظر ہے جس سے ایس ایم ظفر صاحب بھی بخوبی واقف ہیں۔ جن لوگوں نے جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب کا حاکم کیس میں فیصلہ دیکھا ہے، وہ مذکورہ الفاظ کی شمولیت کی ضرورت وافادیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ ذیلی شق درحقیقت اپنی الگ قوت نہیں رکھتی بلکہ یہ آرٹیکل ۲(ب) کی ذیلی شق "ا" میں "سپریم لاء" کی اصطلاح کو مزید واضح اور قوت دار "Forceful" بنانے کے مقصد کے پیش نظر ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ ماضی میں ہماری اعلیٰ عدالتوں نے بعض اوقات سیکولر تعبیرات کیں اور ان کے نتیجے میں شریعت کے استخفاف کا مفہوم پیدا ہوتا تھا یا اسلام کے بطور "سپریم لاء" ہونے کی حیثیت متاثر ہوتی تھی، تو ان کے پیش نظر اس طرح کے خدشات کا قلع قمع کرنے کے لیے مزید واضح الفاظ میں یہ ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب اسلام کو سپریم لاء کا درجہ مل گیا تو یہ ذیلی شق "فالتو" ہو گئی۔ اس اعتراض میں وزن ہے لیکن اگر ۲(ب) کی دیگر "فالتو" شقات موجود ہیں، تو بالخصوص اس کی شق نمبر ۴ کو تنقید کا نشانہ بنانا انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

جہاں تک ایس ایم ظفر صاحب کے ان خدشات کا تعلق ہے کہ پندرھویں ترمیم کے بعد کوئی عورت پاکستان کی وزیر اعظم نہیں بن سکے گی تو اس کے بارے میں یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام میں فی الواقع عورت کے وزیر اعظم بننے پر پابندی ہے، تو اس کو خدائی حکم سمجھ کر قبول کیا جانا چاہیے نہ کہ اس کے خلاف باغیانہ ردّ عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہاں یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ، قرآن و سنت کو سمجھنے والے علماء کی اکثریت کی رائے اب بھی یہی ہے کہ عورت اسلامی ریاست کی سربراہ نہیں بن سکتی۔

(۵) پاکستان کے بعض دانشور اور قانونی ماہرین جو نفاذ شریعت کے حق میں ہیں، وہ دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ نفاذِ شریعت کے لیے آئین میں ترمیم کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ اس مقصد کے لیے شریعت ایکٹ پر انحصار کیا جا سکتا تھا یا نیا ایکٹ منظور کیا جا سکتا تھا۔

ان کی عقل و دانش کے اعتراف کے باوجود راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ بعض صورتوں میں محض ایکٹ پر انحصار کرنا کافی ثابت نہیں ہو گا۔ مثلاً شرعی سزاؤں کے نفاذ کی بات کو سامنے رکھا جائے۔ پاکستان میں دانشوروں اور وکلاء کی اچھی خاصی تعداد ان سزاؤں کے نفاذ مثلاً مجرموں کو سرعام پھانسی پر لٹکانے وغیرہ کو "انسانی وقار" کے منافی سمجھتی ہے۔ آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۱۴ میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

14. "The Dignity of man shall be invoilable"

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اس آرٹیکل کی بنیاد پر وہ ایسی سزاؤں کو پہلے بھی چیلنج کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اس بات کا روشن امکان موجود ہے۔ جب تک "سپریم لاء" کے طور پر اسلام کی برتری اور فضیلت کو آئینی حیثیت نہیں دی جاتی، نفاذِ شریعت کے عظیم کام کی انجام دہی میں بے شمار قانونی اور آئینی پیچیدگیاں باقی رہیں گی۔

(۶) بعض قانون دانوں کے خیال میں آرٹیکل ۲ میں جہاں مذکور ہے کہ "اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہوگا" وہاں محض دو الفاظ "سپریم لاء" ڈال دیئے جاتے تو مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علمی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی یہ توجیہ درست ہے۔ لیکن پاکستان کے مخصوص سیاسی کلچر اور ایک خاص طبقہ کی مغرب سے مرعوبیت اور سیکولرزم کی حمایت کو سامنے رکھا جائے تو یہ خدشہ باقی رہتا ہے کہ محض دو الفاظ کا اضافہ شاید نت نئی قانونی موشگافیوں کا راستہ ہموار کرے گا۔ آئین کی پندرھویں ترمیم کے لائے جانے کے جو اسباب اور عوامل ہیں، ان کا معروضی جائزہ اس ترمیم کی افادیت کو ظاہر کرتا ہے۔

(۷) اسلام پسند طبقات نے پندرھویں ترمیم کے بل کی موجودہ شکل وصورت کو بالعموم سراہا ہے۔ البتہ بعض نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس بل میں شریعت کو نافذ کرنے کے طریقہ کو وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا۔ معروف عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے بقول :

"حکومت نے آئین میں پندرھویں ترمیم کا جو بل قومی اسمبلی سے منظور کرایا یہ اگرچہ اس لحاظ سے ہر مسلمان کے لیے خوش آئند ہے کہ اس میں قرآن وسنت کو بالاتر قانون تسلیم کر کے ملک کی غالب اکثریت کے جذبات اور عقائد کا احترام کیا گیا ہے لیکن چونکہ اس ترمیمی بل میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کسی قانون یا عدالتی فیصلے کے قرآن وسنت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا، اس لیے ضروری تھا کہ اس ترمیمی بل میں نفاذ شریعت کا واضح طریقہ ذکر کیا جاتا لیکن افسوس کہ یہ اہم ضرورت اس ترمیمی بل میں پوری نہیں کی گئی۔ اگر ہماری حکومت نفاذِ شریعت کے معاملے میں واقعی مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ دستور میں ترمیم کے ذریعے اس بات کی وضاحت کرے کہ قانون یا عدالتی فیصلے کے قرآن وسنت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا"

ان معروضات کے اظہار کے بعد مفتی محمد رفیع عثمانی کلماتِ تعریف یوں ادا کرتے ہیں :

"دینی جماعتوں اور تنظیموں کو حکمران جماعت کے ساتھ سیاسی اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ دستور میں قرآن وسنت کو صریح الفاظ میں سپریم لاء قرار دیا جارہا ہے۔ اس سے نفاذ شریعت کی راہ ہموار ہوگی اور قرارداد مقاصد کی تکمیل میں مزید آسانیاں ہوں گی۔ دستور کے آرٹیکل (۲۳۹) میں ترمیم کی تجویز واپس لے کر حکومت نے ایک

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مستحسن فیصلہ کیا ہے اور دستور کو بازیچۂ اطفال بننے اور من مانی ترمیموں کے خطرے سے بچایا ہے" (شریعت بل: "نئی ترمیم کے بعد" روزنامہ جنگ لاہور ۱۹ اکتوبر)

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے پندرہویں ترمیم کے بل کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، دینی جماعتوں کی اکثریت نے اس سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔

(۸) قرآن وسنت کی بالاترین قانون کی حیثیت سے نافذ کرنے کو مبارک اقدام قرار دینے کے باوجود اس کے عملی نفاذ اور عدالتوں کے تشریحاتی کردے کے بارے میں ابہام مکمل طور پر رفع نہیں کیا جاسکا ہے۔ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے رکن جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب نے اس ضمن میں چند غور طلب مسائل اٹھائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

"قرآن وسنت کو دستوری طور پر "سپریم لاء" تسلیم کرنا بلاشبہ قابل خیر مقدم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دستور میں اس دفعہ کے لکھ دینے سے کیا عملی اثرات مرتب ہوں گے ؟ اور عملی طور پر قرآن وسنت کی بالاتری کو کس طرح نافذ کیا جائے گا ؟ اس کے بارے میں یہ دفعہ (۲ب) بالکل خاموش ہے.......... اس کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ رائج الوقت قوانین میں سے جو قوانین قرآن وسنت سے متصادم ہوں گے ، وہ قابل عمل نہ ہوں گے ، بلکہ ان کی جگہ قرآن وسنت پر مبنی قانون واجب العمل ہوگا۔ یہ صورت بھی یقیناً خوش آئند ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کا طریقہ کیا ہوگا ؟ یہ فیصلہ کرن کرے گا کہ کون سا رائج الوقت قانون قرآن وسنت سے متصادم ہے ؟ کیا ملک کی ہر عدالت خواہ وہ مجسٹریٹ یا سول جج یا سیشن جج کی سطح کی ہو ، اس بات کی مجاز ہوگی کہ وہ کسی بھی قانون کے بارے میں فیصلہ دے دے کہ یہ قانون قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں ہے۔ اگر ہر چھوٹی سے چھوٹی عدالت کو یہ اختیار دینا مقصود ہے تو کیا موجودہ عدالتوں کی تعلیم وتربیت اس طرح ہوئی ہے کہ وہ درست طور پر ایسے فیصلے کر سکیں۔ اگر مقصد یہ نہیں ہے ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صرف ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کی سطح کی عدالتوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا تو اول تو دستور میں اس کی صراحت ہونی چاہئے ، دوسرے اس صورت میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کا مصرف کیا رہ جائے گا ؟ بہ حالاتِ موجودہ دستور پاکستان میں کسی قانون کو قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بنا پر منسوخ کرنے کا اختیار صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کو حاصل ہے۔ اگر موجودہ پندرہویں ترمیم کے بعد بھی یہ اختیار صرف انہی عدالتوں کو حاصل رہتا ہے تو اس ترمیم سے نیا فائدہ کیا حاصل ہوگا"

"مجوزہ پندرھویں ترمیم کے نفاذ کے بعد یہ بنیادی سوالات بدیہی طور پر پیدا ہوں گے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اور جب تک ان کا واضح جواب خود دستور میں موجود نہ ہو، اس سے عدالتی سطح پر شدید ابہام (Confusion) پیدا ہوگا۔ عرصہ دراز تک عدالتیں اس دفعہ کی تشریح و تعبیر میں حیراں و سرگرداں رہیں گی" (ماہنامہ الصیانۃ/اکتوبر ۹۸ء)

مولانا تقی عثمانی صاحب نے پندرہویں ترمیم کے بل میں موجود "خلا" کی نشاندہی کی ہے، جہاں تک اس بل کی افادیت کا تعلق ہے، اس سے انہیں بھی انکار نہیں ہے۔ ان کی معروضات وقیع ہیں لیکن اس کیلئے آئین میں ترمیم کا مزید بل لانے کی ضرورت ہے۔

(۹) دس جماعتوں کے نمائندوں نے پندرہویں آئینی ترمیم کی درستگی کے لئے چند تجاویز حکومت کے غوروفکر کے لئے مرتب کی تھیں۔ "محدث" کے اکتوبر کے شمارے میں یہ شائع بھی ہوئیں۔ ان کی ایک اہم سفارش یہ تھی کہ اس جملے "قرآن و سنت پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون ہوں گے" کے متصلاً بعد یہ الفاظ "کوئی قانون بشمول دستوری قانون یا کوئی رسم و رواج جس کی قانونی حیثیت ہو، اگر وہ قرآن و سنت کے متضاد ہو تو وہ اس تضاد کی حد تک کالعدم ہوگا" لائے جائیں۔ ان کے خیال میں اس طرح آرٹیکل ۲ب کی مثبت حیثیت کے ساتھ اس کی سلبی حیثیت (Prohibition) بھی واضح ہو جائے گی۔ قومی اسمبلی سے منظور شدہ بل میں یہ پہلو شامل نہیں کیا گیا۔

بعض آئینی ماہرین کی رائے میں آئین کا آرٹیکل ۲۲۷ یہ مقصد پورا کرتا ہے لیکن یہ رائے درست نہیں ہے بلکہ ضروری تھا کہ اس سلبی جملے کو ترمیم میں شامل کیا جاتا کیونکہ آرٹیکل ۲۲۷ کی ذیلی شق (۲) میں یہ (Provision) موجود ہے کہ اس آرٹیکل پر عملدرآمد اس طریقہ کار کے مطابق کیا جائے جو آئین کے اس حصہ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں بنیادی حقوق کے ضمن میں اگر آرٹیکل ۸ میں یہ سلبی شرائط موجود ہیں کہ بنیادی حقوق سے عدمِ مطابقت رکھنے والا کوئی قانون اس تضاد کی حد تک کالعدم (Viod) تصور ہوگا۔ تو اسلامی قانون کی بالاتر حیثیت کیلئے موجودہ ترمیم میں یہ اضافہ ہونا ہی چاہئے۔

(۱۰) آرٹیکل ۲(ب) کے اضافے کے ساتھ اگر آرٹیکل ۸ میں ذیلی شق (۲) کا اضافہ کر دیا جاتا کہ "بنیادی حقوق کا تعین قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جائے گا" تو بنیادی حقوق کی وسعتوں کی تحدید ہو جاتی اور ظہیر الدین کیس میں سپریم کورٹ نے جو رائے دی تھی کہ بنیادی حقوق اسلام کے تابع ہیں، اس کو آئینی حیثیت بھی مل جاتی۔ یہ بات آئین کی پندرہویں ترمیم کے متعلق اسی تصور پر مبنی ہے کہ اسلام کو آئین میں ضروری تحفظات فراہم کر دئے جائیں تاکہ اس عدمِ صراحت سے کوئی من مانا مطلب اخذ نہ کیا جا سکے۔ وگرنہ قرآن و سنت کے سپریم لاء بن جانے کے بعد بنیادی حقوق خود بخود اسلام کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اب آرٹیکل ۲۵ کے تحت مساواتِ مرد و زن کے تصور کی تعبیر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں کرنی پڑے گی۔

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

آئین کی پندرھویں ترمیم میں باقی بعض نقائص کی نشاندہی، اس کی حمایت ومخالفت میں آراء اوراس کے متعلق خدشات اوراس کی ضرورت کا جائزہ لینے کے بعد آنے والی سطور میں درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے :

(۱) پندرہویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد اس کی فوری افادیت اوراہمیت

(۲) پاکستان میں نفاذِ شریعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے اہم طبقات کی نشاندہی اوران کے منفی کردار کو کم کرنے کے متعلق تجاویز

(۳) سینٹ اور شریعت بل......نفاذِ شریعت کے لیے مطلوبہ عزم

اسلامی تشخص کے حوالے سے حاصل ہونے والے فوائد

(۱) پاکستان کے سیکولر طبقہ کی ہاؤ ہو، مغرب زدہ خواتین کی متحرک اقلیت کی آہ وبکا، سابق خاتون وزیر اعظم کی امریکی صدر بل کلنٹن کو تحریری درخواست، شریعت بے زار نام نہاد دانشوروں کی قانونی موشگافیوں، بعض تنخواہ دار اقلیتی شرپسندوں کی بلا جواز صدائے احتجاج، میاں نواز شریف سے ناراض بعض مذہبی راہنماؤں کے عدم تعاون اور نظریہ پاکستان کے مخالف قوم پرست راہنماؤں کے دھمکی آمیز بیانات کے باوجود اگر حکومت قومی اُمنگوں کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہوئے قومی اسمبلی سے نفاذِ شریعت بل پاس کروانے میں کامیاب ہوئی ہے تو اس کا یہ قدم پاکستان کی اسلامی قانون سازی کی تاریخ میں ایک تاریخی اور غیر معمولی کارنامہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

(۲) اس کامیابی کی فوری برکات میں ایک یہ بھی ہے کہ پاکستان میں مغرب کی قانونی روایت سے مرعوب ومتاثر ایک مخصوص روشن خیال طبقہ ، جسے پاکستانی ثقافت کو بین الاقوامی دھارے میں شامل کرنے کا جنون لاحق ہے، اب اس فنکارانہ عیاری سے تعبیرات وتاویلات کے ذریعے جدید مغربی قوانین اور افکار کے مقابلے میں قرآن وسنت پر مبنی قوانین کی تحقیر کا شرمناک شغل جاری نہیں رکھ سکے گا اور نہ ہی منصبِ قضاء پر متمکن کوئی "روشن دماغ" دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات کی دیگر دفعات کے ساتھ برابری اور عمومی حیثیت کا راگ الاپ سکے گا۔ اس اعتبار سے آئین کی پندرھویں ترمیم عدالتی سیکولرازم کی حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنے گی۔

(۳) موجودہ ترمیم پاکستانی سماج کی لرزہ بر اندام عمارت کی طرف لادینیت اور مغربی لباحیت کے بڑھتے ہوئے خوفناک ریلے کو پیچھے دھکیلنے کی ایک اہم کاوش ہے۔ پارلیمنٹ سے پندرھویں ترمیم کے پاس ہونے کے بعد حکومت بالفرض دیگر عملی اقدامات سے کوتاہی برتتی ہے، تب بھی اس کی اہمیت اور فوائد اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔ درحقیقت ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد کی منظوری کی شکل میں پاکستان

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

میں اسلامی معاشرے کے قیام کی جو خشتِ اوّل رکھی گئی تھی، پندرھویں ترمیم اس قانونی عمارت کے ایک اہم حصہ کی تعمیر کا درجہ رکھتی ہے۔ سیکولرازم اور مادیت پسندی کی یلغار سے برسرپیکار پاکستانی معاشرہ اسلامی تشخص کی بحالی کی طرف ایک بہت بڑا اقدام اٹھانے کے قابل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ صدقِ دل سے قانون سازی کے ذریعے سے اس آئینی ترمیم کے تقاضے پورے کیے جائیں۔

(۴) جب سے امتِ مسلمہ سیاسی عروج اور علمی قیادت کے منصب سے محروم ہوئی ہے، اس وقت سے لے کر اب تک جو عظیم ترین اور مشکل ترین مسئلہ اسے درپیش رہا ہے، وہ نفاذ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اسلامی شریعت کی گاڑی مسلمانوں کی اپنی غفلت اور کوتاہی عمل کی بنا پر کچھ اس انداز میں پٹڑی سے اتری ہے کہ دوبارہ اپنی جگہ پر واپس نہیں پہنچ سکی ہے۔ نفاذِ شریعت کا مسئلہ محض نظری اور فکری مباحث کا مسئلہ نہیں ہے، یہ درحقیقت امت مسلمہ کے وجود، روح اور تشخص کی بقاء کا اہم ترین روشن نکتہ ہے۔ یورپ زبان، رنگ و نسل اور علاقے وغیرہ کو ایک قوم کے اجزائے ترکیبی قرار دینے پر جتنا بھی اصرار کرے، گذشتہ پچاس برسوں کی تاریخ میں مغربی لبرل جمہوری نظام اور روسی اشتراکی نظام کے درمیان جس قدر سرد جنگ برپا رہی ہے، اس کے پس پشت اہم کردار "نظریات" نے ہی ادا کیا ہے۔ روس کے مقابلے میں امریکہ اور مغربی یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کا اتحاد نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا نہ کہ علاقائی بنیادوں پر۔ چین کے بارے میں ایک یورپی باشندے کا پہلا تاثر اس کے اشتراکی تشخص کے بارے میں قائم ہوتا ہے نہ کہ اس کے زرد نسل یا کوتاہ قامت قوم ہونے کا۔ آج اگر مسلمان اپنا الگ وجود قائم رکھنے میں کسی بھی درجے میں سنجیدہ ہیں تو ان کی بقا کا تمام تر انحصار ان کی نفاذِ شریعت کے نصب العین سے وابستگی پر ہے۔

(۵) امتِ مسلمہ بالعموم اور پاکستان کے عوام بالخصوص، عرصہ دراز سے نفاذِ شریعت کے خواب دیکھتے آئے ہیں، وہ اب تک اسی موہوم امید کے سہارے زندہ ہیں کہ ان کی زندگیوں میں اسلامی نظام کا چراغ ایک دفعہ پھر ضوفشانی کرے گا، شریعت بل سے ان کی امیدوں کے بجھے ہوئے چراغوں میں روشنی کی ایک لو پھر سے روشن ہو گئی ہے، اب ضرورت اس کو حقیقی رنگ و نور عطا کرنے کی ہے۔

(۶) پاکستان میں پندرھویں ترمیم کی منظوری کے بعد ان عناصر کی حوصلہ شکنی ہو گی جو آج بڑے دھڑلے سے اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے دلوں پر اسلامی قوانین کی ہیبت اور دبدبہ قائم ہو جائے گا۔ ان کی اباحیت مطلقہ اور بے باکی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی تب ہی ہو گا جب حکومت اس سلسلے میں مخلصانہ اقدامات بروئے کار لائے گی۔

(۷) مزید برآں ایک ایسے دور میں جب اقوامِ متحدہ کے نام نہاد انسانی حقوق کے اعلامئے کو کرۂ ارض میں بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کا واحد قابل اعتبار معیار قرار دیئے جانے کا پروپیگنڈہ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اپنے عروج پر ہو اور روشن خیالی کے اس عالمی جنون میں مذہبی قوانین کو امتیازی قوانین کہہ کر ان کی مذمت کی جارہی ہو، پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں نفاذِ شریعت کے ایک نئے دور کے آغاز کا بانگِ دہل اعلان کیا جائے، تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ امریکی کانگریس نے حال ہی میں قانون پاس کیا ہے جس کی رو سے امریکی حکومت کسی بھی ملک کے امتیازی قوانین کو ختم کرانے کے لیے بھرپور اقدامات کرنے کی مجاز قرار پائی ہے۔ ان حالات میں پندرھویں ترمیم امریکی استعمار کے ان عزائم کے خلاف ایک کھلم کھلا بغاوت اور سرکشی کے مترادف ہے۔ مغرب کی ثقافتی استعماریت اور جارحانہ خود پسندی کے خاتمے کی غرض سے اسلامی دنیا میں جو بھی قدم اٹھایا جائے گا، اسے مستحسن ہی کہنا چاہیے۔

..........(۲)..........

شریعت کی راہ میں مزاحم طبقات

تحریک پاکستان کے دوران محمد علی جناح اور دیگر مسلمان اکابرین نے متعدد بار اسلام کو اپنی منزل، قرآن وسنت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی بالادستی کے قیام کو پاکستان کا مشن اور ہدف قرار دیا۔

۱۹۴۵ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سرحد کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے واضح طور پر کہا:

> "پاکستان کا مطلب صرف آزادی و حریت کا حصول نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریے کا تحفظ بھی ہے جس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ قیمتی تحفے اور بیش بہا خزانے ہمیں ورثے میں ملے ہیں"

اسی سال عیدالفطر کے موقع پر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> "بجز ان لوگوں کے جو بے خبر ہیں، ہر شخص آگاہ ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کا ہمہ گیر وبالاتر قانون اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی بھی، معاشی و معاشرتی بھی، دیوانی بھی، فوجداری بھی، تجارتی بھی، عدالتی اور تعزیری بھی ...... یہ ضابطہ زندگی کی ایک ایک چیز کو باقاعدگی اور ترتیب عطا کرتا ہے"

آپ کے سینکڑوں بیانات نظریہ پاکستان کے اس تصور کو واضح کرتے ہیں۔ لیکن آج ایک مخصوص طبقہ پاکستان میں "قائداعظم کا اسلام" نافذ کرنے کا نامعقول مطالبہ کر رہا ہے۔ گویا آپ کسی مخصوص اسلامی نظریے کے حامی و مؤید تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد علی جناح کے سامنے قرآن وسنت کی تعلیمات سے مخالف و متصادم نفاذِ شریعت کا کوئی نقشہ نہیں تھا۔

پاکستانی معاشرے کی اسلامی قوانین کے تحت صورت گری کے عظیم مشن کا نئے عزم سے آغاز

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کرنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ان اسباب و عوامل اور طبقات کی نشاندہی کی جائے جو پاکستان میں نفاذِ شریعت کی راہ میں اب تک رکاوٹ بنے رہے ہیں :

(۱) اشتراکی شرپسند : قیامِ پاکستان کے فوراً بعد نئی مملکت خداداد کی دستوری بنیادوں کے تعین و تشکیل کے کام کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے جس طبقہ نے پاکستان کے اسلامی تشخص کو نشانہ بنایا، وہ اشتراکی طبقہ تھا۔ مسلم لیگ کی صفوں میں گھسے ہوئے اشتراکی شرپسندوں نے میاں افتخار الدین کی قیادت میں پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کے لیے جارحانہ پروپیگنڈہ کا آغاز کر دیا۔ ان حضرات نے دستور ساز اسمبلی میں مسلسل اودھم مچائے رکھا۔ ہندو اور عیسائی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بعض ارکانِ اسمبلی کو اشتراکیوں کی پشت پناہی حاصل رہی۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہو گئی اور پاکستان کے اسلامی تشخص اور حیثیت کی دستوری بنیاد رکھ دی گئی مگر اشتراکی شرپسندوں کی ریشہ دوانیوں میں کبھی کمی نہ آئی۔ اشتراکی فلسفہ مذہب کو افیون سمجھتا ہے۔ لہٰذا مذہب کی مخالفت اشتراکیوں کا "دین و ایمان" ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ترقی پسندی کے نام پر اشتراکی ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے نظریہ پاکستان کے خلاف ادب و سیاست، معیشت و معاشرت، غرض ہر شعبہ میں زہریلے پروپیگنڈہ کو جاری رکھا۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران سرکاری سطح پر ان کی سرپرستی کی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں سوشلزم کو "ہماری معیشت" کا درجہ مل گیا تو اشتراکیوں کی سرگرمیوں کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ ۱۹۷۷ء میں ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نفاذ سے وقتی طور پر اشتراکی پس منظر میں چلے گئے لیکن ۱۹۸۵ء کے بعد سیاسی اور جمہوری آزادیوں کے احیاء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشتراکی گماشتے دوبارہ متحرک ہو گئے۔ ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کے خاتمے کے باوجود پاکستان کا اشتراکی طبقہ اپنی پرانی ڈگر پر قائم ہے۔ وہ اب بھی اسلام کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ پاکستان کے چاروں صوبوں میں قوم پرست تحریکوں کے راہنما مثلاً اجمل خٹک، رسول بخش پلیجو، تاج لنگاہ اور خیر بخش مری وغیرہ ماضی میں اشتراکیت کے پرچارک رہے ہیں، حال میں بھی نفاذِ شریعت بل کی سب سے زیادہ مخالفت انہی قوم پرستوں کی طرف سے کی گئی ہے۔

(۲) سیکولر طبقہ : دوسرا طبقہ سیکولر اور لادین خیالات کا مالک ہے۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد اسلام سے ایک رسمی سا تعلق ضرور رکھتے ہیں لیکن ان کی فکر کا اصل سرچشمہ تہذیب مغرب ہے۔ چرچ اور ریاست کی علیحدگی ان کی فکر کا بنیادی نقطہ ہے، مذہب کو یہ محض شخصی معاملات تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی اسلامی حیثیت ان کے نزدیک "مذہبی فسطائیت اور علماء کی پاپائیت کو دستوری پذیرائی" عطا کرنے کے مترادف ہے۔ سیکولر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد صحافت، سیاست، تعلیم معیشت اور ہمیشہ اقتدار کے ایوانوں میں متمکن رہے ہیں، پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے خلاف یہ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

طبقہ ہمیشہ جدوجہد میں مصروف رہا ہے۔ اس وقت بھی برسراقتدار طبقہ میں سیکولر افراد کا تناسب بے حد زیادہ ہے۔

(۳) نوکر شاہی: کسی بھی نظام یا دستور کے مؤثر نفاذ کے لیے قوتِ نافذہ کا کردار بے حد اہم ہے۔ آج کی جدید ریاست میں "بیوروکریسی" قوتِ نافذہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔ فرنگی سامراج کی تربیت یافتہ بیوروکریسی پاکستان بننے کے بعد بھی اپنی سابقہ روایات سے چمٹی رہی ہے۔ اپنی اجتماعی سوچ کے اعتبار سے بیوروکریسی مغرب زدہ، سیکولر اور عوام الناس سے الگ تھلگ رہنے والی ہے۔ اسلامی قوانین سے متعلق اس طبقے کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔

غلام محمد، سکندر مرزا، چوہدری محمد علی، ایوب خان، اور یحییٰ خان وغیرہ سول اور فوجی بیوروکریسی کے ارکان تھے جو بالآخر صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کے مناصب پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ صدر ضیاء الحق کو ہمیشہ شکایت رہی کہ افسر شاہی اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے مطلوبہ تعاون نہیں کر رہی۔ بیوروکریسی کی ریکروٹمنٹ، تربیت اور کام کرنے کا سٹائل نہیں بدلا۔ موجودہ بد عنوان اور مذہب بیزار افسر شاہی کی موجودگی میں نفاذِ شریعت کے نصب العین کا حصول بے حد مشکل ہے۔ یہ طبقہ اپنی روایت پسندی کی بنیاد پر ہر طرح کی تبدیلی اور اصلاح کی راہ میں مزاحم رہا ہے۔

(۴) عدلیہ: دورِ جدید میں عدلیہ ریاست کے اہم ادارے کی حیثیت سے دستور و قانون کی پیش آمدہ معروضی حالات کی روشنی میں تعبیرات و تشریحات کے ذریعے بالواسطہ "قانون سازی" کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ پاکستان میں عدالتی نظام کی کمزوریوں میں ایک اہم خامی یہ بھی ہے کہ بار کونسل اور اعلیٰ عدالتوں کے فاضل جج صاحبان زیادہ تر "انگریزی قانون" اور "طریقہ کار" میں تعلیم و تجربہ رکھتے ہیں۔ کچھ استثنائی صورتیں ضرور ہوں گی، لیکن عمومی طور پر اسلامی شریعت اور قانون کے متعلق ان کا علم ان کے اعلیٰ مناصب کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا..... جسٹس (ر) جاوید اقبال اپنی کتاب "آئیڈیالوجی آف پاکستان" میں ہمارے جج صاحبان کی اس کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "ہمارے جج صاحبان برطانوی نظام قانون میں تربیت یافتہ ہیں اور وہ اسلامی قانون و فقہ کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے، وہ اس کی فنی باریکیوں اور گہرائیوں کے متعلق بظاہر نا بلد ہیں" (صفحہ ۱۰۷)

وفاقی شرعی عدالت کے ایک سابق رکن جسٹس ظہور الحق نے اسلام آباد میں منعقد ہونے والی "اسلامائزیشن کانفرنس" (جنوری ۱۹۸۳ء) میں برملا اعتراف کیا کہ "ہم "کامن لاء" کے جج ہیں۔ ہمیں قوانین کا جائزہ لینے کے لیے ماہرین شریعت کی اعانت کی ضرورت رہتی ہے"۔ اسلامی قوانین سے اس واجبی واقفیت کا نتیجہ ہی تھا کہ حضور بخش بمقابلہ وفاق پاکستان کے مقدمے میں وفاقی شرعی عدالت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

نے فیصلہ دیا کہ "رجم" (سنگساری) "حد" نہیں ہے۔ ۴۵ جید علماء پر مشتمل ایک وفد نے صدر پاکستان کو تحریری احتجاج پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ وفاقی شرعی عدالت میں اسلامی قانون کے ماہرین کو بھی شامل کیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے تین علماء کو وفاقی شرعی عدالت کا جج تعینات کیا گیا۔

شروع ہی سے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ارکان کی اچھی خاصی تعداد ان جج صاحبان پر مشتمل رہی ہے جو سیکولر میلان رکھتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے دوسرے چیف جسٹس، جسٹس منیر احمد سیکولرازم کے چمپئن تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف "جناح سے ضیاء تک" میں زوردار طریقے سے پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے پر زور دیا ہے۔

سپریم کورٹ کے ایک فاضل جج جسٹس حمود الرحمٰن کی زیر سرکردگی ایک بنچ نے فیصلہ دیا کہ گو قرار دادِ مقاصد سب سے اہم دستوری دستاویز اور اعلامیہ ہے مگر چونکہ یہ دستور کا مؤثر حصہ نہیں، اس لیے اسے بالادستی حاصل نہیں۔ اسی طرح ۱۹۹۳ء میں جسٹس نسیم حسن شاہ کی صدارت میں سپریم کورٹ کے بنچ نے حاکم خان کیس میں قرار دیا کہ "۲۔الف" بھی دستور کی دیگر دفعات کی طرح ایک دفعہ ہے جس کی روشنی میں باقی دفعات کا جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد شریعت کی حقیقی اور مکمل بالادستی ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ آئین کی پندرھویں ترمیم کے جواز کے طور پر اس فیصلے کا ذکر بھی کیا جارہا ہے۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران مغربی میڈیا کی یلغار، پاکستان میں مغربی سرمائے سے چلنے والی این جی اوز کی غیر معمولی چلت پھرت اور ذرائع ابلاغ میں مغرب کے انسانی حقوق کے واویلا کی نشر و اشاعت، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کی بیجا مداخلت اور پاکستانی معاشرے کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی تحریک کے اثرات ہماری عدالتوں کے بعض فیصلہ جات میں بھی محسوس کیے گئے ہیں۔

لاہور ہائی کورٹ کے بعض جج صاحبان نے حال ہی میں نکاح میں والدین (وَلی) کی اجازت، عورتوں کے حقوق و خاندانی اقدار، چادر اور چاردیواری کے تحفظ جیسے مقدمات میں جو فیصلے دیئے ہیں، ان کی اسلامی حیثیت علماء کی رائے میں متنازع فیہ ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالتوں میں سیکولر جج صاحبان کی موجودگی نفاذ شریعت کی راہ میں ایک ممکنہ (Potential) رکاوٹ سمجھی جاتی رہی ہے۔

(۵) **بازاری طبقہ:** فلم، ٹیلی ویژن، اخبارات کے فلمی صفحات اور دیگر ذرائع ابلاغ پر قابض مادرپدر آزادیوں سے مستفید ہونے والے ایک طبقے نے پاکستان میں ثقافت کے نام پر کثافت، فن کے نام پر تعفن اور کلچر کے نام پر لچرپن کو فروغ دیا ہے۔ جسم فروشی اور رقص و سرود کے پیشے میں ملوث طوائفوں کے اڈے فلم اور میڈیا میں کام کرنے والی اداکاراؤں کی نرسریاں ہیں۔ نوجوان طبقے کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور انہیں لہو و لعب کی طرف مائل کرنے میں اس بازاری طبقے نے جو مکروہ کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی ارضِ پاک پر "ہیرامنڈی" جیسے علاقوں کا

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

وجود ایک ناسور ہے جس کو نفاذِ شریعت کی سرجری سے ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔ عورت کا بد ترین روپ طوائف کا پیشہ ہے، عورت کو جسم فروشی کے ذریعے روزگار ہتانے پر مجبور کرنا یا اس کی اجازت دینا انسانیت اور نسوانیت دونوں کی شرمناک توہین و تذلیل ہے۔ گھر سے فرار ہونے والی بدبخت لڑکیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے تحریک چلانے والی مغرب زدہ بیگمات کی طرف سے عورت کی تذلیل کے اس پہلو پر خاموشی اختیار کرنا ان کے عورتوں کے حقوق کے چمپئن ہونے کے دعویٰ کو باطل ٹھہرانے کی قوی ترین دلیل ہے۔

(۶) اپوائی بیگمات: پاکستان میں طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی ایک متحرک اقلیت کو نفاذِ شریعت سے شروع سے بیر رہا ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کی بیگم صاحبہ، جو لیاقت علی خان سے رشتہ مناکحت قائم کرنے سے پہلے ہندو تھیں، نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی عورتوں کے حقوق کے نام پر مغربی تہذیب کے عملی نفاذ کی تحریک شروع کر دی تھی۔ ان کی تحریک سے وابستہ خواتین "اپوائی بیگمات" کہلاتی ہیں، ایوب خان کے دور میں نافذ ہونے والے قابل اعتراض عائلی قوانین کے نفاذ کا سہرا بھی اُونچے طبقہ کی اِن مغرب زدہ بیگمات کے سر ہے۔ یہی بیگمات تھیں جنہوں نے ضیاءُ الحق مرحوم کے زمانے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے خلاف محاذ قائم کیے رکھا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد مغرب کے زیر اثر پاکستان میں تحریکِ آزادیٔ نسواں کی مبلغات میں ہوش رُبا اضافہ ہوا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر آوارگی نسواں کو فروغ دینے والی این جی اوز کا ایک گروہ پاکستان کے خاندانی نظام پر ٹڈی دَل کے طرح حملہ آور ہو چکا ہے۔ امریکہ اور یورپ سے این جی اوز کو کروڑوں روپے مل رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا دائرہ کار روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ عورتوں کی یہ تنظیمیں مغرب کے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنا رہی ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کے خلاف افرنگ زدہ مادر پدر آزاد عورتوں نے جلسے جلوس نکالے اور خوب دھاچوکڑی کا مظاہرہ کیا۔ صیہونی لابی کے سرمائے سے چلنے والی ایسی این جی اوز کی کرتا دھرتا زیادہ تر قادیانی عورتیں ہیں۔ وہ نہایت ہوشیاری سے مسلمان عورتوں کو گمراہ کر رہی ہیں۔ نفاذِ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ مغرب زدہ خواتین کے اس گروہ کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے اور ان کو مسلمہ حدود کا پابند کیا جائے۔

(۷) برسر اقتدار طبقہ: پاکستان میں نفاذِ شریعت کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے میں سب سے زیادہ رکاوٹ جس طبقہ نے ڈالی ہے، وہ بلاشبہ برسر اقتدار طبقہ ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں کی اکثریت اپنے فطری میلان کی وجہ سے اسلام کو نظامِ حیات کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ بے حد آزاد خیال اور لہو ولعب کے رسیا تھے۔ وہ حکمران جنہیں اسلام سے دل لگاؤ تھا اور جو بظاہر نفاذِ شریعت میں کسی حد تک سنجیدہ بھی تھے، انہوں نے بھی اس عزم بالجزم (Political Will) کا مظاہرہ نہیں کیا، کہ جو

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ایسے عظیم مشن کی تکمیل کا متقاضی تھا۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کی اسلام پسندی اور ان کا ذاتی کردار بلاشبہ قابل تحسین تھا، لیکن انہوں نے بھی اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے نیم دلانہ اقدامات ہی کئے۔ اربابِ بسط و کشاد اسلام کی حقانیت کو اپنے فکر و عمل سے جب تک ثابت نہیں کریں گے، اسلامی شریعت کے نفاذ کے اہم فریضہ سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ آج بھی اہل اقتدار جب تک اسلام کو اپنی زندگیوں میں نافذ نہیں کریں گے، عوام الناس پر اسلامی شریعت کو نافذ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

میاں نواز شریف، ممکن ہے اپنی خوش تدبیری کی بنا پر سینٹ سے آئین کی پندرھویں ترمیم کو منظور کرانے میں کامیاب بھی ہو جائیں، مگر موجودہ ٹیم کے ساتھ شریعت نافذ کرنے کی ان کی صلاحیت کے بارے میں شبہات بدستور باقی رہیں گے۔

(۸) جاگیر دار: پاکستان کا جاگیر دار انگریزوں کا مراعات یافتہ طبقہ نفاذِ اسلام کی تحریک کو ہمیشہ اپنے لیے ایک خطرہ سمجھتا رہا ہے۔ ہر دور میں اقتدار کے مزے لوٹنے والا یہ طبقہ کبھی نہیں چاہے گا کہ ارضِ وطن پر نفاذِ شریعت کا عمل پایہ تکمیل تک پہنچے۔ یہ استحصالی طبقہ کسی نہ کسی شکل میں نفاذِ شریعت کو روکنے کی سازش میں شریک رہا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں محض چند اہم طبقات کی نشاندہی کی گئی ہے ورنہ یہ فہرست خاص طویل ہے۔ اگر محولہ بالا طبقات کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ہی مؤثر توڑ نکال لیا جائے تو پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کی راہ خاصی حد تک ہموار ہو جائے گی...... قابل غور مسئلہ یہی ہے کہ کیا حکومت نفاذِ شریعت جیسے اہم کام کے لئے مذکورہ طبقات سے ٹکر لینے یا ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کا عزم رکھتی ہے؟ کیونکہ اس کے بغیر حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب تو کجا، کچھ پیش رفت بھی نہیں کر سکتی۔

..................(۳)..................

سینٹ اور شریعت بل...... مطلوبہ عزم

یہ ایک انتہائی ستم ظریفی بلکہ عظیم قومی المیہ ہے کہ وہ ملک جس کے قیام کا واحد مقصد ہی اسلامی شریعت کا نفاذ تھا، اس کے ایک آئینی ادارے سینٹ کے ارکان کا حکومت مخالف گروہ نفاذِ شریعت بل کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے ہے۔ شرعی اور دینی اعتبار سے ان کا یہ رویہ کس قدر قابل مذمت ہے، اس کا اظہار علماء کی طرف سے واشگاف الفاظ میں کیا جا چکا ہے، لیکن سیاسی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہ عوام کی امنگوں کی سنگین توہین کے مترادف ہے۔ نہ جانے یہ حضرات عوام کی خواہشات کی توہین کے جرم کے مرتکب ہو کر بھی ان کی نمائندگی کے شرف سے بدستور معمور ہونے کا دعویٰ کن اخلاقی بنیادوں پر کرتے ہیں؟

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

وزیر اعظم نواز شریف اپنی بھر پور مہم کے باوجود سینٹ میں دو تہائی اکثریت کو شریعت بل کی حمایت پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ سینٹ کی منظوری کے لیے ۸۵ ارکان کی تائید ضروری ہے جب کہ حکومت اور اس کے حامی سینٹروں کی تعداد تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۴۸ سے زیادہ نہیں ہے۔

میاں نواز شریف سینٹ کے ارکان کی تائید حاصل کرنے کے لیے ترغیبات وترہیبات (Threats) دونوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اسلام آباد کے کنونشن سنٹر میں پاکستان بھر کے علماء کو جمع کرکے انہیں ترغیب دی تھی کہ وہ شریعت بل کے حق میں رائے عامہ کو بیدار کریں اور شریعت بل کے مخالفین کا ناطقہ بند کریں۔ ایک عوامی جلسہ کے دوران انہوں نے سینٹ کے مخالف ارکان کے گھیراؤ کی طرف بھی اشارہ کیا۔ نومبر کے دوسرے ہفتے کے دوران مالاکنڈ ایجنسی میں ایک بہت بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان میں طالبان کے طرز پر شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں...... کراچی میں انہوں نے دہشت گردوں کو سر عام پھانسی پر لٹکانے کے لیے شریعت کے نفاذ کی ضرورت کا بار بار تذکرہ کیا۔ ان کی یہ کاوشیں اپنی جگہ پر قابل ستائش ہیں لیکن ان کی جماعت مسلم لیگ کی طرف سے شریعت بل کے حق میں فضا ہموار کرنے کے لیے جو اجتماعی جدوجہد سامنے آنی چاہیے تھی، وہ ابھی تک مشاہدے میں نہیں آئی۔ ان کے پاس قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت ہے۔ پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کی صوبائی اسمبلیوں میں ان کی جماعت کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ سینٹ میں بھی ان کے حامیوں کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہے۔ اگر میاں صاحب ان تمام حضرات کو تمام کام چھوڑ کر صرف ایک ہفتہ کے لیے ہی شریعت کی حمایت میں عوامی جلسے، تقاریر، پریس کانفرنس اور سیاسی اجتماعات منعقد کرنے کے لیے ہدایت کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ شریعت بل کے مخالفین کے حوصلے پست نہ ہو جائیں۔

مزید برآں وہ شریعت بل کے مخالفین کے تمام اعتراضات کے شافی جوابات کی تیاری کے لیے دانشوروں، صحافیوں اور علماء کی کمیٹیاں تشکیل دیں جو ذرائع ابلاغ میں شریعت کی حمایت میں عقلی دلائل دے کر رائے عامہ کو تشکیل دیں۔ جذباتی اور نفسیاتی اعتبار سے فضا کو اس قدر "چارج" کیا جائے کہ شریعت بل کے مخالفین کے پاس سوائے حمایت کے اور کوئی چارہ نہ رہے۔ ان کی اس قدر مذمت اور حوصلہ شکنی کی جائے کہ انہیں پاکستان میں منہ چھپانے کو جگہ نہ ملے۔

پاکستان کا سینٹ صحیح معنوں میں عوامی نمائندگان پر مشتمل ادارہ نہیں ہے۔ یہ وفاق کی بعض آئینی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ صوبائی اسمبلیاں درحقیقت اس کے انتخابی کالج کا کردار ادا

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کرتی ہیں۔ اصولی طور پر پاکستانی سینٹ امریکی سینٹ کے ہم پلہ نہیں ہے کیونکہ امریکی سینٹ کے ارکان کا انتخاب عوام براہِ راست کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ امریکی ریاستیں ریاست ہائے متحدہ کے وفاق میں شمولیت سے پہلے بالکل آزاد اور خود مختار ریاستوں کی صورت میں موجود تھیں۔ پاکستان کے صوبوں کی یہ پوزیشن نہیں ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے بلوچستان کو ایک مکمل صوبے کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ صوبہ سندھ ۱۹۳۵ء تک بمبئی کا حصہ تھا، صوبہ سرحد بھی ۱۹۱۰ء تک صوبہ پنجاب میں شامل تھا، بعد میں کافی عرصہ تک اسے بھی مکمل صوبے کا درجہ حاصل نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ پاکستان کا آئین پارلیمانی طرز کا ہے اور پارلیمانی نظام میں قومی اسمبلی یعنی ایوانِ زیریں کو برتری حاصل ہوتی ہے جیسا کہ برطانیہ میں ہے۔ برطانیہ میں دارالامراء کو قانون سازی کے اختیارات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پاکستانی سینٹ کے ارکان کو ان معروضی حقائق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

اگر اصولوں کو سامنے رکھا جائے تو نفاذِ شریعت جیسے اہم بل کو سینٹ کی منظوری کے تابع ہی نہیں ہونا چاہئے جس طرح کہ بجٹ کی منظوری کا معاملہ ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بجٹ کے مقابلے میں نفاذِ شریعت زیادہ اہم مسئلہ ہے، سینٹ کے پاس چند مخصوص اُمور ہونے چاہئیں جن کا فی الواقع تعلق صوبائی نظم و نسق اور صوبوں کے مرکز کے درمیان حقوق و اختیارات کی تقسیم سے ہو۔

سینٹ کی مخالفت میں پیپلز پارٹی ایم. کیو. ایم، اے. این. پی اور بلوچستان کی بعض قوم پرست جماعتوں کے ارکان پیش پیش ہیں۔ پیپلز پارٹی تو بغضِ معاویہ کا کردار کرتی رہے گی لیکن دیگر سینٹرز کی طرف سے شریعت بل کی مخالفت افسوسناک ہے۔ ایم کیو ایم کراچی کے شہریوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعوی کرتی ہے۔ اسے یہ خیال کرنا چاہیے کہ کراچی کی آبادی کا مزاج مذہب کی طرف خاصا مثبت ہے۔ ایم کیو ایم سے پہلے وہاں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان کو ہمیشہ نشستیں ملتی رہیں۔ ایم کیو ایم کی طرف ان کے سیاسی جھکاؤ کے باوجود کراچی کے لوگ اسلام سے برگشتہ نہیں ہوئے۔ اب بھی وہاں کی مساجد نمازیوں سے آباد رہتی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اہل کراچی کے مذہبی جذبات کو اُبھارنے کے لیے حکمتِ عملی مرتب کرے۔ اہل کراچی کو واضح کر دینا چاہیے کہ مذہب اور زبان کے مقابلے میں قابل ترجیح کونسا امر ہے؟ ایم کیو ایم کے ارکان کو شریعت بل کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لیے مؤثر طریقہ ہی یہی ہے کہ اہل کراچی کی طرف سے ہی ان پر عوامی دباؤ کو بڑھایا جائے۔ اے این پی کے ارکان میں اگر اخلاقی حمیت کا شائبہ بھی موجود ہوتا تو وہ سینٹ کی رکنیت سے مستعفی ہو جاتے کیونکہ مسلم لیگ کے سہارے وہ وہاں پہنچے تھے۔ جب مسلم لیگ سے الگ ہو گئے تو پھر یہ رکنیت جاری رکھنے کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔

سینٹ کے آٹھ دس ارکان کے عدمِ تعاون کی وجہ سے شریعت بل کو مسترد کرنے کی اجازت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نہیں دی جاسکتی۔ ان پر ہر طرح کا سیاسی، سماجی اور اخلاقی دباؤ قابل جواز ہے۔ امریکہ میں پریشر گروپ سینٹ کے ارکان پر ہر طرح کا دباؤ ڈالتے رہتے ہیں اور قانون سازی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں حکومت کو یہ حکمتِ عملی ضرور اپنانی چاہیے۔ امریکہ میں آج بھی آزادیٔ اظہار کے باوجود اگر "جمہوریت" کی مخالفت میں کوئی سینٹر اپنی رائے کا اظہار کردے تو امریکی رائے عامہ اس کا حشر نشر کرکے رکھ دے گی۔ برطانیہ میں رائے عامہ سے کوئی فوجی جرنیل ملک پر قبضہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آزادیٔ اظہار کے نام پر پاکستان کی نظریاتی اساس کی مخالفت کو پاکستانی عوام کبھی گوارا نہیں کریں گے۔

سینٹ کے ارکان آرٹیکل ٦٢ کے مطابق نظریہ پاکستان پر یقین رکھنے کے پابند ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کی مخالفت سے آئین کے مطابق بھی ان کی رکنیت منسوخ ہوجانی چاہیے۔

اگر قومی اسمبلی میں آٹھ دس ارکان کی حمایت کی کمی کا مسئلہ ہوتا تو ان کے مخصوص حلقہ ہائے انتخاب میں جزوی ریفرنڈم یا ان کے حلقوں میں شریعت ریلی وغیرہ کے انعقاد کے ذریعے انہیں حمایت پر مجبور کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سینٹرز کا چونکہ کوئی حلقہ انتخاب نہیں، اسی لیے اس طرح کی حکمت عملی وہاں استعمال میں نہیں لائی جاسکتی۔

اب جبکہ ترمیمی بل سے آرٹیکل ۲۳۹ کے متعلق ترمیمی شقات حذف کردی گئی ہیں اور ۲(ب) کی حکومتی ہدایات جاری کرنے کی عبارت بھی نکال دی گئی ہے تو وہ لوگ جو میاں نواز شریف پر آمریت مسلط کرنے، یا خلیفہ / امیر المؤمنین کا روپ اختیار کرنے جیسے الزامات عائد کرتے رہے ہیں، وہ الزامات خود بخود بے بنیاد ہوجاتے ہیں۔ شریعت بل کے مخالفین اخلاقی بزدلی کا شکار ہیں وہ مختلف حیلے بہانوں سے شریعت بل کی مخالفت کررہے ہیں۔

اقلیتوں اور عورتوں کی مخالفت بھی محض ایک "متحرک اقلیت" کا پروپیگنڈہ ہے۔ ۹/ نومبر کو یومِ اقبال کی تقریب کے دوران جس جوش و خروش سے سینکڑوں عورتوں نے شریعت کے حق میں نعرے لگائے، میاں نواز شریف صاحب کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مٹھی بھر مغرب زدہ عورتوں کے علاوہ مسلمان خواتین کی بھاری اکثریت شریعت کے نفاذ کے بارے میں خاصی پرجوش ہے۔ یوم اقبال کے موقع پر ڈاکٹر اسرار احمد نے میاں نواز شریف کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے انہیں سینٹ سے شریعت بل منظور کرانے کے لیے اس پالیسی کو اپنانے کا مشورہ دیا جو ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۳ء کے آئین کے متعلق اپنائی تھی، یعنی سب کو راضی کرنا۔ میاں نواز شریف جب سٹیج پر آئے تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو اندازہ نہیں ہے کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ میں کس طرح کے سیکولر اور شریعت مخالف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قومی اسمبلی کے ایک رکن کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کی شان میں کہے گئے وہ الفاظ دہرائے جو بعد میں اخبارات میں شائع ہوئے تو حاضرین کا ردِ عمل جوار بھاٹا کی طرح

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سامنے آیا۔

اگر میاں صاحب اپنی شخصی شہادت کی بنیاد پر اس گستاخِ رسولؐ کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کراتے اور عدالت میں اس کی پیروی کرتے، تو نہ صرف اللہ کے ہاں ان کا یہ عمل قبولیت کا شرف پاتا بلکہ اس طرح کے دریدہ دہنوں کو بھی خوب سبق ملتا اور سینٹ کے ارکان کی جو منت سماجت، وہ اب کر رہے ہیں اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔

میاں نواز شریف خوش قسمت ہیں کہ خدا نے انہیں نفاذِ شریعت کا یہ نادر موقع فراہم کیا ہے، اگر وہ اس سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ہماری قومی سیاہ بختی ہوگی، انہوں نے ۱۹۸۹ء میں، جب وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، ایک صوبائی سطح پر نفاذِ شریعت کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کمیشن کے چیئرمین بیرسٹر خالد اسحٰق تھے جبکہ نائب چیئرمین موجودہ وزیر برائے مذہبی امور راجہ ظفر الحق صاحب تھے۔ راقم الحروف کو ان دنوں بیرسٹر خالد اسحٰق سے منسلک رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ راقم نے مسٹر خالد اسحٰق سے دریافت کیا کہ پاکستان میں اب تک نفاذِ شریعت کا عمل کیوں نہیں ہو سکا۔ جس کا جواب میں نے اس وقت اپنی ڈائری میں لکھ لیا تھا۔ انہوں نے کہا: اس بارے میں قدرت نے ہمیں بڑے مواقع عطا کیے ہیں لیکن ہم خود ہی چھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔ مذکورہ کمیشن اپنا کام جاری نہ رکھ سکا کیونکہ ارکان کا یہ اتفاقِ رائے تھا کہ وفاقی حکومت کی حمایت کے بغیر پاکستان یا پنجاب میں نفاذِ شریعت ممکن نہیں ہے۔ اب تو الحمد للہ اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو تاریخ میں اَمر کرتے ہیں یا پھر خالد اسحٰق صاحب کے الفاظ میں "چھوٹے" ثابت ہوتے ہیں۔ نفاذِ شریعت بل کی منظوری کے لیے خواہ مطلوبہ ارکان کی حمایت میں زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں چکر کاٹنے پڑیں یا پھر مجبوراً ریفرنڈم کے ذریعے اس عظیم مشن کی تکمیل کرنی پڑے، انہیں پاکستانی قوم کے خواب کو ہر صورت میں شرمندۂ تعبیر کرنا چاہیے۔

اکیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچی اسلامی دنیا اپنی نشاۃِ ثانیہ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکی ہے۔ امتِ مسلمہ میں مغرب کے سامراجی اور استحصالی نظام کے خلاف جس قدر بیزاری اور نفرت آج دیکھنے میں آئی ہے، اس سے پہلے کبھی اتنی شدت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اسلامی دنیا میں اتحاد کے فقدان کے باوجود اسلامی شریعت کے دیے بعض ریاستوں میں پہلے ہی روشن ہو چکے ہیں۔ سعودی عرب، ایران، چیچنیا، سوڈان اور حال ہی میں افغانستان میں طالبان نے اپنے مخصوص انداز اور ڈھنگ میں اسلامی شریعت کو برتر قانون کا درجہ دے کر اس کے عملی نفاذ کی صورتیں بہم پہنچائی ہیں۔ ان ممالک میں نفاذِ شریعت کی برکات کا عملی مشاہدہ، اگرچہ جزوی طور پر سہی، ہر آنکھ کر سکتی ہے۔ سعودی عرب میں خلیج کی جنگ کی تباہ کاریوں اور اس ارضِ مقدس میں موجود امریکی سامراجی افواج کے باوجود جرائم کا تناسب دنیا کی کسی بھی ریاست کے مقابلے میں کم ہے۔ افغانستان میں خانہ جنگی کا مکمل خاتمہ اگرچہ ابھی تک نہیں ہو سکا، لیکن طالبان کے مخالفین بھی

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی حکومت کے قائم ہونے کے بعد ان کے زیر انتظام علاقوں میں امن عامہ، اخلاقی جرائم اور عورتوں کے تحفظ کے معاملات میں بہت زیادہ بہتری کی صورت رونما ہوئی ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کی واحد ریاست کا قیام ابھی امکان بعید نظر آتا ہے لیکن مختلف اسلامی ممالک میں انفرادی اور علاقائی طور پر فروعی اختلافات کے باوجود نفاذ شریعت کے امکانات کافی روشن ہیں۔ مستقبل قریب میں جن مسلم ریاستوں میں نفاذ شریعت کے متعلق پیش قدمی کی توقع کی جاسکتی ہے، ان میں پاکستان کا نام سر فہرست ہے۔ ایٹمی طاقت بن جانے کے بعد پاکستان کے مسلمانوں کی خود اعتمادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

کسی بھی قوم کی نظریاتی اساس، لادینی، جمہوری، اشتراکی، سرمایہ دارانہ یا مذہبی بنیادوں پر قائم ہو، اسے عملی جامہ پہنانے کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوم اس کے نفاذ کی ضرورت کو اپنی "موت و حیات" کا مسئلہ نہ بنا لے۔ اگر بیسویں صدی میں اشتراکی نظام کی بنیاد پر روس، چین، مشرقی یورپ، مشرق وسطی اور ایشیا کے کئی ممالک میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے اور امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک جمہوریت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہوئے اس کی عملی صورت کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، تو مسلم ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے امکانات کو ناقابل حصول قرار دے کر اسے مسترد کیونکر کیا جاسکتا ہے......؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام سے ہماری وابستگی اور تعلق زبانی جمع خرچ تک ہی محدود رہا ہے، ایک نظام کو معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے جو عزم، ولولہ، جوش و خروش اور پیہم جدوجہد درکار ہے، اگر آج بھی مسلمان اپنے اندر یہ جذبات پیدا کرلیں تو اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

تاہم پاکستان جیسے اخلاقی سرطان میں مبتلا معاشرے کے لیے محض پارلیمنٹ سے شریعت بل پاس ہونے سے نفاذ شریعت کے تمام تقاضے نہ تو پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی یہ کامیابی اس صبر آزما کام کے تمام مدارج کو طے کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ نفاذ شریعت کا عمل ایک عظیم چیلنج سے کم نہیں ہے، اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آہنی عزم، غیر متزلزل یقین، خودارادی، فولادی اعصاب اور پہاڑ جیسا استقلال چاہیے۔ مکیاولی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "دی پرنس" میں حکمرانوں کو بالکل صحیح ہدایت کرتا ہے:

> "نئے نظام کو متعارف کرانے سے زیادہ کوئی چیز مشکل نہیں ہے، نہ ہی اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا حصول مشکل ہے، نہ ہی اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا معاملہ ہے۔ کیونکہ پرانے نظام سے متمتع ہونے والے تمام افراد ریفارمر (مصلح) کے دشمن بن جاتے ہیں اور نئے نظام سے فائدہ اٹھانے والے تمام لوگ محض نیم دلی سے حمایت کرتے ہیں۔ اس نیم دلانہ حمایت کی ایک وجہ تو ان کے حریفوں کا خوف ہوتا ہے جن کی قوانین بھی پشت پناہی کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ حقیقی طور پر کسی ایسی چیز پر یقین نہیں کرتے جب تک کہ وہ عملی طور پر اس کے فوائد کا تجربہ نہ کرلیں"

☆ ☆

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ